ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

ناول "دستک نہ دو" میں سماجی مسائل کی عکاسی

Depiction of Social Issues in the Novel "Dastak Na Do"

رضا اکرم
ایم۔فل (اردو)، شعبہ اردو، انسٹی ٹیوٹ آف سدرن پنجاب، ملتان
razaakramali@gmail.com
بختاور سلیم
ایم۔فل (اردو)، شعبہ اردو، انسٹی ٹیوٹ آف سدرن پنجاب، ملتان
bakhtawarsaleem99@gmail.com
ڈاکٹر منور امین
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، انسٹی ٹیوٹ آف سدرن پنجاب، ملتان
drmunawaramin143@gmail.com

Raza Akram
M.Phil., Department of Urdu, Institute of Southern Punjab, Multan
Email: razaakramali@gmail.com
Bakhtawar Saleem
M.Phil., Department of Urdu, Institute of Southern Punjab, Multan
Email: bakhtawarsaleem99@gmail.com
Dr. Munawar Amin
Assistant Professor, Department of Urdu, Institute of Southern Punjab, Multan
Email: drmunawaramin143@gmail.com

ABSTRACT:

Altaf Fatima was a brilliant Pakistani urdu novelist, fiction writer and translator. She enriched the literature with many unique novels, fiction collections and translations in a period of more than a half century. In the modern Urdu literary tradition, Altaf Fatima's name is synonymous with narrative structure and plot experiments. Her masterpiece novel is DASTAK NA DO which was published in 1966 by Feroz Sons, Lahore. This is a very wonderful novel of a different kind with amazing characters. Altaf Fatima's immense fame and popularity has been due to this memorable novel of hers. This novel has also been included in the Urdu curriculum. It was translated into English language and also dramatized on PTV. Artistically, descriptive analytical technique has been used and it has a symbolic status but from an intellectual point of view, the facts and bitterness of life are highlighted in this story, which is related to almost every person. The glimpse of our social problems is visible. Geeti Ara failure in love, Sang's bad behaviour with Safdar Yaseen, Amma Begum's attitude towards children, all these the causes and consequences of the class division of our society. These social problems, issues that have been tried to be brought before the public in this novel with the reflection of the nuances of human emotions, love and prejudices are being identified in this article.

KEYWORDS:

Translator, synonymous, popularity, curriculum, analytical, descriptive, symbolic, glimpse, class division, nuances, prejudice

کلیدی الفاظ:

مترجم، مترادف، شہرت، نصاب، تجزیاتی، بیانیہ، علامتی، جھلک، طبقاتی تقسیم، باریکیاں، تعصب

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

ہمارے معاشرے میں بعض افراد کا تعلق ایسے مضبوط نظریات کے ساتھ ہوتا ہے جو نظریات صدیوں کے تجربات کی بنیاد پر تشکیل پاتے ہیں۔ ان میں سے ایک الطاف فاطمہ ہیں جو ایک طویل ادبی خاندانی پس منظر رکھتی ہیں شاید تبھی الطاف فاطمہ نے تمام سماجی اور معاشرتی ناول لکھے ہیں جن میں زندگی کے حقائق نظر آتے ہیں۔ آپ چونکہ خود ایک خوددار خاتون تھیں اور عورت کی عظمت کی قائل تھیں لہٰذا آپ کے تخلیق کردہ ادب میں عورتوں کے مسائل خاص موضوع ہے خصوصاً نوجوان لڑکیوں کو ان افسانوں اور ناولوں سے اپنی شناخت بنانے کا جذبہ ملتا ہے۔ آپ نے ساری زندگی شادی نہیں کی اور باوقار زندگی گزاری۔ بناوٹی انداز اور شہرت سے دور رہیں۔ گویا الطاف فاطمہ کی زندگی گھربار، خاندان، بچوں کی تربیت و پرورش اور سسرال کے جھگڑوں اور شوہر کی بے مروتی، برا رویہ، سلوک کے جھنجھٹ اور مسائل سے پاک رہی تو وہیں انہیں زندگی میں تسلی سے اپنے سماج کو دیکھنے سمجھنے اور معاشرتی مسائل کا سامنا کرنے والے افراد کا مشاہدہ کرنے کا بھرپور موقع ملا۔ اور یہ ایک ادبی حقیقت بھی ہے کہ ایک ادیب یا تخلیق کار ہمیشہ اپنے اردگرد کے معاشرے کا اثر ایک عام انسان کی نسبت زیادہ محسوس یا قبول کرتا ہے۔ معاشرے کے افراد جس طرح کی زندگی گزار رہے ہوتے ہیں اور جس طرح کے مسائل معاشرے میں پیدا ہو رہے ہوتے ہیں ایک ادیب یا تخلیق کار کی تخلیقات میں شعوری اور لاشعوری طور پر یہ اثرات واضح طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ ادب زندگی کی سماجی حقیقتوں کو پیش کرنے کا ایک وسیلہ ہوتا ہے اور تخلیق کار یا ادب پوری دیانت داری سے ان سماجی حقائق کو سماج کے سامنے پیش کرنے کی ذمہ داری نبھاتا ہے، البتہ بعض سماجی حقیقتیں سماج کے افراد کے سامنے ظاہری حالت میں موجود ہوتی ہیں اور بعض پردوں میں چھپی ہوتی ہیں جنھیں ایک ادیب گہرے مشاہدے اور تخلیقی قوت کی بناء پر عام افراد کے مقابلے میں زیادہ باریکی سے دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ادب معاشرے سے جس طرح متاثر ہوتا ہے اِسی طرح معاشرے کے افراد ادب سے متاثر ہوتے ہیں اور بعض منفی اور مثبت تبدیلیوں کا اصل محرک اس سماج کا ادب ہوتا ہے، جو انقلاب لانے کا سبب بنتا ہے اور خود بھی سماجی انقلاب سے متاثر ہوتا ہے۔

ڈاکٹر محمد ایمن انصاری لکھتے ہیں:

> ”ادیب کے اظہار کی دُنیا اس کے گردوپیش ہی کی دنیا ہوتی ہے۔ اس کے ادب کا خام مواد وہیں سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ اپنے ادب کا تانابانا اپنے گردوپیش سے الگ رہ کر تیار ہی نہیں کرسکتا۔“(۱)

بالکل اسی طرح الطاف فاطمہ نے اپنے گہرے مشاہدے اور تخلیقی قوت سے سماجی مسائل کو اپنی تحریروں کا موضوع بنایا۔ "دستک نہ دو" الطاف فاطمہ کا ایک شاہکار ناول ہے اس ناول میں ہمارے سماجی مسائل کی صورتحال پیش کرتے ہوئے الطاف فاطمہ نے بیانیہ انداز میں تجزیاتی تکنیک کا استعمال کیا ہے۔ ناول میں پیش آمدہ سماجی مسائل کسی ایک مخصوص خطے، علاقے یا ملک کے مسائل نہیں بلکہ یہ ہمارے اجتماعی و سماجی مسائل ہیں جو تقریباً ہماری سرحدوں کی قید سے نکل کر وسیع سطح تک پھیل چکے ہیں۔ جس میں معاشرے کے ان افراد کے مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے جو دیارِ غیر میں محنت مزدوری کرنے کی غرض سے جاتے ہیں۔ اپنوں سے دوری اور دیارِ غیر میں مصائب و مشکلات انسانی ذہن پر اذیت ناک کیفیت طاری کر دیتے ہیں۔ یہ ناول ۱۹۶۲ء میں فیروز سنز لاہور سے شائع ہوا۔ ناول کا موضوع منفرد بھی ہے اور وقت کی ضرورت بھی۔ زندگی کے دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ دیارِ غیر میں زندگی گزارنے والے افراد اور جاگیردارانہ طرزِ زندگی کے غیر انسانی رویوں کا شکار افراد اندرونی طور پر کس طرح کی کیفیت کا شکار ہوتے ہیں۔ اس کا اندازہ اس ناول کی کہانی کے مطالعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ جاگیردار گھرانوں کے طرز کا مشاہدہ بھی اس ناول میں بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ یہ طبقہ مصنوعی رکھ رکھاؤ اور وضع قطع کی خاطر انسانوں کو جس طرح اعلیٰ اور ادنیٰ میں تقسیم کر دیتا ہے اور انسانی رشتوں کا تقدس پامال کرتا ہے۔ یہ صورتحال کھل کر اس ناول کی کہانی کے ذریعے قاری کے ذہن و شعور کو متاثر کرتی ہے۔ ناول کے پلاٹ میں گیتی اور صفدر کا کردار اسی سماجی صورتحال کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ افراد جب خود کو ماحول سے ہم آہنگ نہیں کرپاتے تو نتیجتاً نفسیاتی اُلجھنوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان افراد کے اسی طرزِ عمل اور نفسیاتی مسئلے کو ایک تکلیف دہ صورتحال پیش کرتے ہیں۔

الطاف یوسف زئی کے الفاظ میں:

> ”ناول نگار نے اپنے کردار میں ایسی کیفیات دکھاتے ہوئے ایک ماہر نفسیات کی طرح تمام تر نفسیاتی نزاکتوں اور پیچیدگیوں کو پیش نظر رکھا ہے یوں وہ اپنے اس ناول میں پختہ نفسیاتی شعور رکھنے والی ایک

ایسی ناول نگار کے طور پر سامنے آتی ہیں جو انسانی نفسیات کی باریکیوں سے نہ صرف واقف ہیں بلکہ ان کے اظہار کا سلیقہ بھی رکھتی ہیں۔"(۲)

انسانی جبلت ہے کہ اسے اپنے ماضی سے گہری محبت ہوتی ہے اور حال سے عدم اطمینانی کا احساس ہوتا ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ مستقل سے خوف بھی محسوس ہوتا ہے۔ یہ ساری صورتحال روحانی اور نفسیاتی طور پر عدم تحفظ کا احساس پیدا کرتی ہے۔ ہجرت کے کٹھن سفر سے گزر کر اپنے وطن سے دور بستیاں بسانے والے لوگوں میں اس طرح کی کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ دیارِ غیر میں زندگی گزارنا انسان کو بہت سی نفسیاتی، سماجی، معاشی اور روحانی تکالیف سے دوچار کرتا ہے۔ چینی باشندے صفدر لیو چو کا کردار اسی صورتحال کو پیش کرتا ہے۔ وہ ماضی پرستی کا شکار ہے اور مستقل اور اپنے خون کے رشتوں کی پریشانی کا شکار ہے۔ وہ کراچی میں چینی باشندوں کی بستی میں قیام پذیر ہے۔ کراچی شہر کے ایک بڑے شوز سٹور پر ملازمت کرتا ہے اس کی ذمہ داری سائیکل پر شوز لے جا کر شہر کے مضافات میں بیچنا ہے اور ملازمت سے فرصت کے وقت اپنی سائکل پر چینی مصنوعات لاد کر شہر بھر میں ان کو سیل کرتا ہے۔ ایک دن وہ معمول کے مطابق شہر میں سائیکل پر اپنی مصنوعات بیچ رہا ہوتا ہے کہ اس کی نظر ایک چھوٹے قد والی خوبصورت لڑکی پر پڑتی ہے جو دیکھنے میں ہو بہو چینی باشندوں جیسی دِکھائی دیتی ہے۔ اس لڑکی کا نام گیتی آرا ہے۔ صفدر لیو چو کو اس لڑکی سے اُنس پیدا ہو جاتا ہے جب بھی وہ اس لڑکی کو دیکھتا ہے گہری سوچ اور ماضی کی یادوں میں کھو جاتا ہے۔ ساتھ ہی وہ ان اذیت ناک حالات کا تصور کرتا ہے جن کی وجہ سے اس کا گھرانہ اذیت ناک بھوک اور افلاس کا شکار تھا اور اس نے مزدوری کرنے کے لیے اپنا وطن، گھر بار، محبت کرنے والی ماں، دو پیاری بہنیں اور انتا صاف ستھرا ماحول چھوڑ کر دیارِ غیر آ کر مزدوری کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ ان الفاظ میں اپنے ماضی اور اپنے قریبی رشتہ داروں کے بارے میں دل میں تصور کرتا اور فکر مند ہوتا ہے۔

"اس نے دھند اور کہر سے چھپے ہوئے اُفق کو تاکتے ہوئے سوچا کیا پتہ آج پیکنگ میں بھی ایسی سردی ہو اور نہ جانے میری ماں کیا کر رہی ہوگی۔ دبلے جسم، چپٹے اور خوبصورت دہانے والی عورت جس کے ہاتھ محنت کرنے کے باوجود نرم اور کنول کی طرح نازک ہیں اور میری دونوں چھوٹی بہنیں! معلوم نہیں سکول جاتی ہیں یا نہیں۔"(۳)

اس کی ان سوچوں کا سلسلہ طویل تر ہوتا چلا جاتا ہے اور وہ جھینگوں کے شوربے، سرکے میں کتری ہوئی ہری مرچ کی چٹنی اور گاجر کے لچھے کے ساتھ پکی ہوئی خوشبودار مچھلی کے بارے میں سوچتا ہے کہ یہ لذیذ کھانے گھر سے دور کہاں نصیب ہوتے ہیں۔ وہ بے بسی کے ساتھ سوچتا ہے کہ کاش اگر گھریلو حالات درست ہوتے اور کھانے کے لیے راشن کی فکر نہ ہوتی تو اپنوں سے بچھڑ کر اسے اتنی دور مزدوری کرنے نہ آنا پڑتا۔ اس کے اس ذہنی و نفسیاتی انتشار کا تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر الطاف یوسف زئی لکھتے ہیں:

"انسانی فطرت ہے کہ دیارِ غیر میں اپنے پیاروں سے متعلق کسی بھی معمولی سے معمولی چیز کو بھی وہ مرز جاں بنا کر رکھتا ہے۔ اس فطری مجبوری کے تحت صفدر لیو چو بھی وطن سے موصولہ اپنی ماں کے ہاتھ سے لکھے ہوئے خط کو سینت سینت کر رکھتا ہے۔ اسے محسوس کرتا ہے اور پھر ناسٹلیجائی کیفیت کے تحت اس کی اُداس آنکھوں میں نمی تیرنے لگتی ہے۔"(۴)

الطاف فاطمہ نے دیار، غیر میں زندگی گزارنے والے افراد کی زندگیوں کی بے ثباتی کا نقشہ جس انداز میں کھینچا ہے اس سے ان کے گہرے مشاہدے، حقیقت پسندی، ان افراد سے گہری محبت اور ہمدردی ظاہر ہوتی ہے جو روزگار کی خاطر اس طرح کی کیفیت سے گزرتے ہیں۔ ان میں سے اکثر افراد تو بالکل نوعمر ہوتے ہیں اور ان کے لکھنے، پڑھنے اور کھیلنے کودنے کے دِن ہوتے ہیں، لیکن حالات کی ستم ظریفی ان کو اس نہج پر لے آتی ہے کہ وہ یہ سب خوشیاں چھوڑ کر بیرون ملک چلے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر الطاف یوسف زئی صفدر لیو چو کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:

”صفدر کو اپنے وطن سے بے انتہا اور بے حد محبت تھی وہ اپنی تنگ دستی اور عسرت زدہ زندگی سے گویا محبت کرتا تھا وہ غریبی اور معاشی تنگی کے باوجود غیرت اور خودداری کے عظیم جذبوں سے معمور تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بڑے بڑے بنگلوں میں رہنے والی نخریلی بیگمات جب اس کے وطن کی بنی ہوئی اشیاء کو اس کے سامنے حقارت کی نظر سے دیکھتی یا ان میں کچھ مین میخ نکالتی تھیں تو اسے بُرا لگتا تھا۔“(۵)

اپنا وطن کس قدر عزیز ہوتا ہے اس کا اندازہ صفدر لیوچو کے احساسات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ملازمت سے فارغ ہو کر اپنے وطن کی اشیا کو بیچتا اور ان سے وطن کی خوشبو محسوس کرتا ہے۔ اسے اپنے وطن کی چیزیں اپنائیت کا احساس دیتی تھیں اور اس کو ایسا محسوس ہوتا کہ وہ اپنے دیس کی گلیوں میں یہ اشیاء بیچ رہا ہو۔

اِس ناول میں کردار نگاری نہایت عمدہ ہے۔ الطاف فاطمہ نے بعض کردار تو اتنے زبردست انداز میں پیش کیے ہیں کہ ان کرداروں پر ہماری حقیقی زندگی کے زندہ جاوید کرداروں کا احساس ہوتا ہے۔ ڈاکٹر الطاف یوسف زئی اس ناول میں کرداروں کا تجزیہ پیش کرتے ہوئے رائے قائم کرتے ہیں:

”الطاف فاطمہ کے ناول "دستک نہ دو" کے لگ بھگ تمام کرداروں میں ناسٹلیجیا کی مختلف صورتوں کا اظہار بہت کامیابی کے ساتھ صوت مندانہ انداز میں ہوا ہے۔“(۶)

ناول کی ہیروئن گیتی آراء ایک مہذب اور اعلیٰ اقدار کے حامل گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ صفدلیوچو اس کی شکل کی چینی لڑکیوں سے مماثلت کی وجہ سے قلبی طور پر اس سے اُنس پیدا ہو جاتا ہے اور جب بھی وہ شہر کے اس علاقہ میں آواز لگاتے ہوئے آتا ہے تو اس کی نظر میں گیتی آرا کو تلاش کرتی ہیں اور گیتی آرا کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ اپنے ذاتی گھر میں پہنچ چکا ہو۔

الطاف فاطمہ اس کی ذہنی کیفیت کو ان الفاظ میں پیش کرتی ہیں:

”صفدر لیوچو کو گیتی کے گھر کے پھاٹک کو دیکھتے ہی محسوس ہونے لگتا جیسے وہ اپنے گھر کے قریب آ گیا ہو اور اب وہاں گئے بنا واپسی ناممکن ہے۔“(۷)

ایک دن اس نے گیتی کو سلک کے خوبصورت لباس میں دیکھا تو اس کا ذہن فوراً اپنے گھر کی طرف چلا گیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور گھر کی یاد زیادہ زور سے ستانے لگی۔ صفدر لیوچو جس انداز میں پاکستان میں طبقاتی کشمکش کا تجزیہ کرتا ہے اور حالات کا موازنہ اپنے وطن کے حالات سے کرتا ہے۔ اس سے دیارِ غیر میں کام کرنے والے افراد کی مشکلات اور بے بسی کا پتہ چلتا ہے۔

اس ناول کا ایک اور اہم کردار صولت آرا کا ہے جس کے بول چال اور سوچ سے روایتی جاگیردارانہ نظام کی جھلک نظر آتی ہے۔ دراصل جاگیردار طبقہ کی سب سے بڑی خامی یہ تھی کہ ان کو ہر وقت اپنا حکم چلانے اور اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے ایک محکوم طبقہ کی ضرورت ہوتی ہے جن کی عزتِ نفس پامال کر کے ان کو تسکین حاصل ہوتی ہے اور ان کی ہی نفسیاتی صورتحال ہے کہ انہیں ہر صورت اپنی برتری کا احساس رہتا ہے یہی صورتحال صولت آرا کے کردار کی ہے وہ ہر وقت گیتی پر نظر رکھتی اور اس کو ڈانٹتی نظر آتی ہے۔

شہریار کا کردار ایک نفیس انسان کا کردار ہے جو انسانیت کی عظمت کا قائل اور عورت کے مقام و مرتبہ کو تسلیم کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ گیتی آرا جب اس سے کھلے بندوں اظہارِ محبت کرتی ہے تو اس کو سخت دھچکا لگتا ہے اور وہ اپنے جذبات چھپانے کی کوشش کرتا ہے اور صاف مکر جاتا ہے کہ وہ بھی گیتی سے محبت کرتا ہے بلکہ وہ اسے تعلیم پر توجہ دینے کی تلقین کرتا ہے اور اپنے عمر میں بڑے ہونے کا احساس دلاتا ہے لیکن گیتی آرا کا خود اعتمادی کا معیار بہت بلند ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اس کی باتوں سے مرعوب نہیں ہوتی۔ شہریار کا کردار زیادہ دیر سامنے نہیں رہتا وہ فوج میں ملازم ہے اور اس کی موت کی خبر آتی ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

شہریار اس ناول کا زیادہ فعال کردار نہ ہے۔ اس کی یادیں گھر کے افراد کے دلوں کو منور کرتی رہتی ہیں اور انہی کی زبانی شہریار کی شخصیت کھل کر سامنے آتی ہے۔

ارجمند اس گھر کی ایک ذمہ دار خاتون ہے وہ بالکل نارمل خاتون ہے۔ وہ گیتی آرا سے بالکل مختلف لڑکی ہے۔ اس کی سوچ پختہ طبیعت میں توازن اور سب افراد سے بہترین سلوک کرتی ہے وہ جہاں صولت آرا کی تیز طراری کو تحمل سے برداشت کرتی ہے وہاں پر گیتی آرا سے بھی گہری محبت کرتی ہے۔

ابتداء میں ناول کی کہانی بہت سست رفتاری سے آگے بڑھتی ہے اور جہانگیر مرزا کی موت کے بعد ناول کا پلاٹ پھیل کر آگے چلتا ہے۔ مجموعی طور پر سارے ناول میں ایک حزینہ فضا چھائی رہتی ہے۔ مجموعی طور پر اس ناول کے زیادہ تر کردار امیر طبقے کے کردار ہیں ان لوگوں کی زندگی شیشے کی مانند صاف اور رونق سے بھرپور ہے۔ آسائشات کی فراوانی ہے۔ اس ناول کے مرکزی کردار صفدر یٰسین اور ان امیر افراد کی زندگی میں ذہنی و روحانی کیفیت کا تضاد ہمارے سماج میں طبقاتی تقسیم اور عدم مساوات کی جھلک پیش کرتا ہے۔

ناول کا کردار اماں بیگم اس ناول کا ایک وایتی عورت کا کردار ہے جو حسب نسب اور روایات کی ایمن خاتون ہیں اور اپنے ماضی سے جڑی رہنا چاہتی ہیں لیکن قیامِ پاکستان کے بعد ان کی سوچ اور رویے میں نمایاں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ اس اچانک پڑنے والی افتاد میں اماں بیگم ایک باہمت اور باحوصلہ خاتون بن کر اُبھرتی ہیں ان کی جرأت اور عزم قاری کے دل پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ ان کے گھر کا واحد مرد ملازم ہندو متصب بلوائیوں کے ہاتھوں مارا جاتا ہے اور گھر میں سب خواتین باقی رہ جاتی ہیں تو وہ ایک باہمت خاتون بن کر سب کی ہمت بڑھاتی ہیں اور گیتی آرا کی گھبراہٹ دیکھ کر اسے حوصلہ دیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہمت کرو اگر لوگوں کو ہماری گھبراہٹ کا احساس ہو گیا تو ان کی جرأت بڑھ جائے گی اور وہ ہمیں تباہ کر دیں گے۔ اس صورتحال میں اماں بیگم کا محض قوت ارادی اور بلند حوصلگی کی بنیاد پر حالات کو بدل کر رکھ دینا اور بڑی جرأت اور بہادری سے پورے خاندان کو بحفاظت وہاں سے نکال کر پاکستان منتقل کر دینا ان کے کردار کو ایک مثالی کردار بنا دیتا ہے۔

اس ناول میں جہاں صفدر یٰسین کی صورت میں مزدور پیشہ افراد کی نفسیاتی و سماجی صورتحال کا اندازہ ہوتا ہے وہاں دولت مند طبقہ کی ذہنیت کا بھی پتہ چلتا ہے جو ہر چیز کو دولت کے ترازو میں تولنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے ہاں انسانیت کا جذبہ کوئی معنی نہیں رکھتا وہ اپنے بچوں کی تربیت ایسے ماحول میں کرنا چاہتے ہیں جہاں پر ان کے بچوں کے ذاتی جذبات کو کچل دیا جاتا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کے بچے غریب لوگوں اور ان کے بچوں سے دور رہیں تاکہ ان کی شان و شوکت اور دبدبہ ان لوگوں کو ان کی بتری کا احساس دِلاتا رہے لیکن بعض بچے بہت حساس ہوتے ہیں اور معصوم بھی وہ بچوں کی امیری اور غریبی کی بنیاد پر تقسیم کو پسند نہیں کرتے اس کی مثال گیتی آرا کا باغیانہ رویہ ہے جہاں وہ ساری سختیاں اور تشدد نظرانداز کر کے غریب بچوں کے ساتھ مل جل کر کھیل کر اور ان کی چھوٹی موٹی ضرورتیں پوری کر کے اپنی ذات کو سکون پہنچاتی ہے۔

ناول نگار الطاف فاطمہ نے اس سماجی مسئلہ کو بھی اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے کہ بعض لوگ دولت پر غرور کرتے ہیں اور دولت کے نشے میں انسانی وقار اور عزت نفس کی اہمیت کو یکسر نظرانداز کر دیتے ہیں اور ہر چیز کی قیمت لگا دیتے ہیں لیکن بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے ہاں دولت سے زیادہ انسانی ہمدردی اہمیت رکھتی ہے، لیکن ایسے لوگوں کی تعداد انتہائی کم ہوتی ہے۔ یہی صورتحال اس وقت بھی پیدا ہوتی ہے جب صولت آرا ہسپتال میں گیتی آرا کے بیڈ کے سامنے میز پر دو ننھی بطخیں اور ایک کتاب دیکھتی ہے تو فوراً پوچھتی ہے یہ چیزیں کہاں سے آئیں ہیں فوراً چچی جواب دیتی ہیں کہ یہ چیزیں چائنہ مین لے کر آیا ہے اور اکثر وہ آتا رہتا ہے تو اماں بیگم یہ بات سن لیتی ہیں اور اس چیز کو بہت ناگوار محسوس کرتے ہوئے غصہ کا اظہار کرتی ہیں اور دیورانی سے ان الفاظ میں اپنے جذبات کا اظہار کرتی ہیں:

> ”پھر بھی خیال رکھا ہوتا۔ اچھا یہ اب اس کو دے دینا۔ اماں بیگم نے دس کا نوٹ ان کے ہاتھ میں دے دیا اور دیکھو اب اس سے کہہ دینا کہ بے بی کی طبیعت اَب ٹھیک ہے۔ دو چار دن میں پلاسٹر لگوا کر ہم اسے گھر لے جا رہے ہیں اب آنے کی ضرورت نہیں۔“(۸)

دولت مند افراد میں بھی کئی طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ بعض لوگ انسانی جذبات کا احترام کرنے والے بھی ہوتے ہیں۔ وہ غریبوں کی عزتِ نفس کا بہت خیال رکھتے ہیں البتہ بعض لوگ دس کی چیز کے بدلے میں پندرہ کی چیز دے دیتے ہیں لیکن اماں بیگم کا معاملہ اس حوالے سے یکسر مختلف تھا وہ گیتی آرا کو اور اس سے جڑے ہر شخص پر بہت سختی کرتی تھیں اور وہ اس کو سختی سے راہِ راست پر لانے کا فیصلہ کر چکی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگلے روز صفدر یٰسین جب دوپہر کو گیتی کو دیکھنے آتا ہے تو چچی نہایت سختی سے پیش آتی ہیں اور اسے فوراً واپس جانے کا حکم دیتی ہیں اور وجہ یہ بیان کرتی ہیں کہ اگر گیتی دوپہر کو نہ سوئے تو شام کو سو جاتی ہے اور دوسری بجلی وہ صفدر یٰسین پر یہ گراتی ہیں کہ جب وہ واپس جا رہا ہوتا ہے تو بہت حوصلہ کر کے اس کے خلوص کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کے تحائف کی قیمت ادا کرتے ہوئے کہتی ہیں:

> ”کھلونوں کی قیمت لے لو، اُنھوں نے جلدی جلدی کہا۔۔۔ کھلونوں کی قیمت! وہ بُرا مان گیا۔۔۔ ارے بھئی اور سنو! اور وہ کہہ رہی تھی کہ اب ہم دو تین دن میں پلاسٹر لگوا کر اس کو گھر لے جائیں گے۔ اب تمہارے تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔“(۹)

انسان سب برابر ہوتے ہیں اور انسانی جذبات بھی سب کے برابر ہی قابلِ قدر ہوتے ہیں لیکن بعض لوگ احساسات سے عاری ہوتے ہیں یہ بھی ہمارے معاشرے کا ایک المیہ اور سماجی مسئلہ ہے۔

الطاف فاطمہ نے کاروباری لوگوں کی ذہنیت کا بھی بہت زبردست تجزیہ پیش کیا ہے۔ یہ لوگ بھی ہمارے سماج کا ہی حصہ ہیں اور ہمارے بہت سے مسائل کی بنیادیں انہی کاروباری افراد سے جڑی ہوتی ہیں، خصوصاً پسے ہوئے طبقے کے غربت زدہ افراد جن کے کندھوں پر بھاری ذمہ داریوں کا بوجھ بھی پڑا ہوتا ہے۔ یہ لوگ ان کا خون چوستے اور دُگنا کام کرواتے۔ قلیل مزدوری ادا کرتے اور ان کی عزتِ نفس کو پامال کرتے ہیں۔ وہ اسے اپنی اوقات کا احساس دلانے کے لیے مسلسل ذلیل و خوار کرتے رہتے ہیں۔ یہی صورتحال صفدر یٰسین اور سانگ کے معاملے میں بھی ہمیں اس ناول میں نظر آتی ہے۔ صفدر یٰسین وطن سے دور آ کر سانگ کی نوکری کرتا اور نہایت محنت اور ایمانداری سے اپنی ذمہ داری ادا کرتا ہے لیکن سانگ کا رویہ اس کے ساتھ مسلسل جاہلانہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ صفدر یٰسین سائیکل پر جا کر اشیاء بیچتا ہے۔ کیشیئر کے طور پر دُکان کا سارا حساب کتاب بھی کرتا ہے اور جب سانگ بیمار ہوتا ہے وہ دُکان کی مکمل ذمہ داری پوری دیانت داری سے ادا کرتا ہے لیکن سانگ پھر بھی اس کو نوکر ہونے کا احساس دِلاتا رہتا ہے۔

الطاف فاطمہ اس صورتحال کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتی ہیں:

> ”سانگ کا ڈیل اور بھاری ہو گیا تھا۔ اس کے ٹخنوں اور ایڑیوں پر پنڈلی کے گوشت کی جھالر سی لٹک آئی تھی اور پیٹ اور بھی چکنا اور مدور نکل آیا تھا۔ اس کی صحت کی خرابی کی بنا پر صفدر کو زیادہ تر دُکان پر ہی رہنا پڑتا تھا، لیکن سانگ اس خیال سے کہ دُکان کا منتظم بن کر وہ یعنی صفدر یٰسین لیو چو اپنی اوقات بھول بیٹھے اس کو اب بھی گاہے بگاہے اتوار کے دن پھیری کے لیے بھیجا کرتا تھا۔“(۱۰)

انسانی رویوں کا سماجی صورتحال میں اہم کردار ہوتا ہے۔ انسانی رویے ہی کسی معاشرے میں انسانوں کی قدر و منزلت کا تعین کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اور الطاف فاطمہ نے اس ناول میں سماجی مسائل کا احاطہ کرتے ہوئے انسانی رویوں کو خاص طور پر موضوع بنایا ہے۔ دراصل الطاف فاطمہ نہایت سلجھی ہوئی اور حساس دل کی مالک ادیبہ ہیں اور وہ انسانی رویوں کا تجزیہ کرتے ہوئے قاری کے احساس کو جھنجھوڑنا اور ان اثرات کا مشاہدہ کروانا چاہتی ہیں جو ان رویوں کی بناء پر معاشرے کو اجتماعی طور پر متاثر کرتا ہے۔ اس صورتحال کا ایک مظاہرہ اس وقت بھی سامنے آتا ہے جب گیتی کو پارک میں دیکھ کر صفدر یٰسین حیرت کا اظہار کرتا ہے اور اسے نصیحت کرتا ہے کہ پارک میں نہ آیا کرو کیوں کہ بڑے لوگوں کی لڑکیاں پارک میں نہیں آیا کرتی ہیں۔ گیتی آرا اس منطق پر حیران ہوتے ہوئے استفسار کرتی ہے کہ کیا تمہارے ملک میں بھی ایسا ہوتا ہے تو صفدر یٰسین بہت بے بسی سے جواب دیتا ہے:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

"یہ میں کیسے کہہ سکتا ہوں میں تو ایک غریب جاہل چینی ہوں جو سات سال سے اپنے وطن نہیں گیا۔ میں نے سات سال سے اپنی ماں کو نہیں دیکھا ہے جس کے پاس سوئے بغیر مجھے آتے دم تک نیند نہیں آتی تھی۔ مجھے اپنی ماں کے جسم، اپنے وطن کی زرد مٹی اور دھان کے کھیتوں کی مخصوص بو کی یاد ہر روز ستاتی ہے۔"(۱۱)

الطاف فاطمہ نے مجموعی طور پر انسانی زندگی کے بہت سے پہلوؤں کو پیش کرتے ہوئے سماجی مسائل کی بھرپور نشاندہی کی ہے۔ الطاف فاطمہ کا مشاہدہ بہت وسیع، نفسیات کے تجزیہ کی شاندار صلاحیت اور وسیع تجربہ نے ان کو ان سماجی مسائل کو پوری ذمہ داری کے ساتھ پیش کرنے میں مدد فراہم کی ہے۔ یہ ایک بہترین ناول ہے اور اپنے اُسلوب اور موضوع کے اعتبار سے بھی ایک اہم ناول ہے اور اس ناول میں پیش کردہ سماجی مسائل ہماری روزمرہ کی زندگی ہمارے اپنے سماج کے زندہ جاوید مسائل ہیں اور ہمارے گھرانوں کی صورتحال ایسے ہی مسائل کی صورتحال پیش کرتی ہے۔ الطاف فاطمہ نے چھوٹے چھوٹے واقعات کو مرکزی قصہ سے جوڑ کر کہانی میں دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جس سے ناول میں جان پڑ گئی ہے۔ انداز بیاں نہایت عمدہ ہے واقعات کی پیش کش بھی لاجواب اور محاورے اور جملے سادہ اور حقائق پر مبنی صورتحال کو پیش کرتے ہیں۔ مجموعی طور پر بہترین ناول ہے اور قاری کے شعور پر گہرا اثر ڈالتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد ایمن انصاری، ڈاکٹر، "اُردو ناولوں میں سماجی مسائل کی عکاسی"، نصرت پبلشرز، لکھنؤ، ۱۹۸۸ء، ص ۱۸

۲۔ الطاف یوسف زئی، ڈاکٹر، نذر عابد، ڈاکٹر، الحمد (مجلہ)، الحمد اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد، جنوری تا جون ۲۰۲۱ء، ص ۴۹، ۴۸

۳۔ الطاف فاطمہ، دستک نہ دو، فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۱۱

۴۔ الطاف یوسف زئی، ڈاکٹر، نذر عابد، ڈاکٹر، الحمد (مجلہ)، الحمد اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد، جنوری تا جون ۲۰۲۱ء، ص ۴۹

۵۔ الطاف فاطمہ، دستک نہ دو، فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۴۰

۶۔ الطاف یوسف زئی، ڈاکٹر، نذر عابد، ڈاکٹر، الحمد (مجلہ)، الحمد اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد، جنوری تا جون ۲۰۲۱ء، ص ۴۸

۷۔ الطاف فاطمہ، دستک نہ دو، فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۱۴۸

۸۔ الطاف فاطمہ، دستک نہ دو، فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۸۰

۹۔ الطاف فاطمہ، دستک نہ دو، فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۸۷

۱۰۔ الطاف فاطمہ، دستک نہ دو، فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۱۴۷

۱۱۔ الطاف فاطمہ، دستک نہ دو، فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۲۳۶